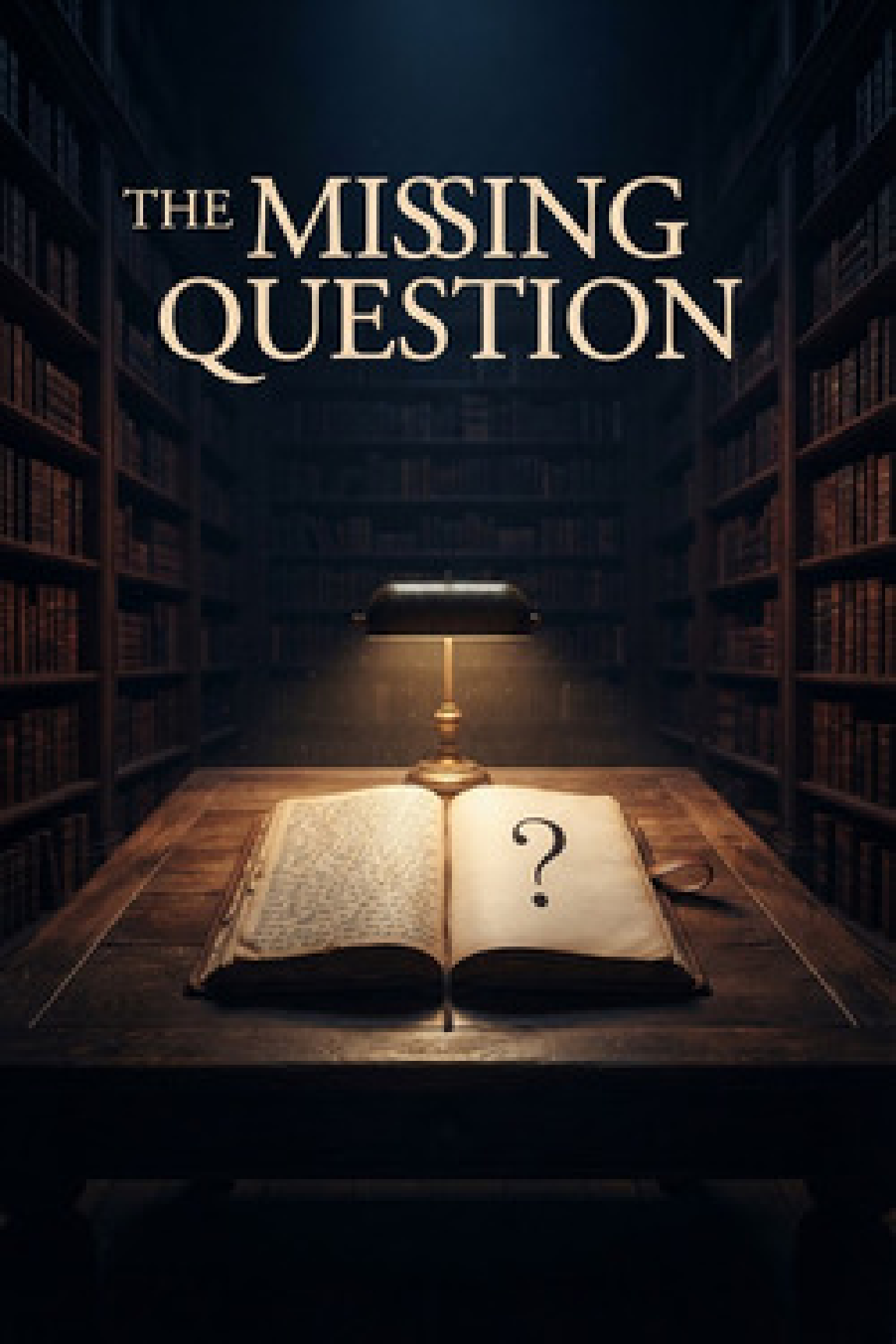

THE MISSING QUESTION
?

حصہ دوم

دہلیز 6

گمشدہ سوال

اپنی زندگی کے بیشتر حصے میں میں جوابات کے پیچھے بھاگتا رہا۔

جیسا کہ تقریباً ہر شخص بھاگتا ہے۔

میں جاننا چاہتا تھا کہ درست فیصلہ کون سا ہے۔

بہتر راستہ کون سا ہے۔

جو کچھ میں جی رہا تھا اُس کا مطلب کیا ہے۔

مجھے وضاحت چاہیے تھی۔

سمت۔

تصدیق۔

میں سمجھتا تھا کہ پختگی کا مطلب ہے جوابات جمع کرنا۔

جتنا زیادہ وقت گزرتا، اتنا ہی زیادہ مجھے سمجھ آ جانا چاہیے تھا کہ یہ سب کیسے چلتا ہے۔

میں جتنا زیادہ تجربہ جمع کرتا، اتنے ہی کم شکوک رہ جاتے۔

یہ ایک نفیس نظریہ تھا۔

مسئلہ یہ تھا کہ زندگی اسے بالکل نظر انداز کرتی دکھائی دیتی تھی۔

برس گزرتے گئے۔

تجربہ بڑھتا گیا۔

ذمہ داریاں بڑھتی گئیں۔

اور پھر بھی سوالات کم نہ ہوئے۔

اس کے برعکس۔

وہ اور گہرے ہو گئے۔

زیادہ پیچیدہ۔

زیادہ مشکل۔

یہ ایک ہلا دینے والی دریافت تھی۔

بچپن میں مجھے لگتا تھا کہ بڑے لوگ وہ ہیں جنہوں نے سمجھ لیا ہے۔

پھر میں خود بڑا ہو گیا۔

اور جانا کہ ہم میں سے بہت سوں نے بس غیر یقینی کے ساتھ جینا سیکھ لیا ہے۔

یہ ایک ہی بات نہیں۔

جاننے اور چلتے رہنے میں بہت بڑا فرق ہے۔

بہت سے چلتے رہتے ہیں۔

بہت کم واقعی جانتے ہیں۔

مجھے ایک زمانہ یاد ہے جب میں ہر جگہ جواب ڈھونڈتا تھا۔

کتابوں میں۔

اداروں میں۔

سفروں میں۔

سب سے تجربہ کار لوگوں میں۔

روحانیت میں۔

عقلیت میں۔

اعداد میں۔

میں سمجھتا تھا کہ کہیں نہ کہیں کوئی ایسی وضاحت موجود ہے جو ہر چیز کو ترتیب دے سکے۔

ایک فارمولا۔

ایک کنجی۔

ایک نظام۔

مگر ہر بار جب مجھے لگتا کہ میں نے اسے پا لیا ہے، کوئی نیا تجربہ آ کر اُس پر سوال اٹھا دیتا۔

پہلے پہل یہ جھنجھلا دینے والا تھا۔

پھر یہ دلچسپ ہو گیا۔

آخرکار یہ آزاد کر دینے والا بن گیا۔

کیونکہ مجھے ایک بات سمجھ آئی۔

جوابات کی زندگی مختصر ہوتی ہے۔

صحیح سوالات کی زندگی طویل ہوتی ہے۔

بہت طویل۔

کچھ دہائیوں تک ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔

میں کون ہوں؟

حقیقتاً کیا اہم ہے؟

محبت کرنے کا مطلب کیا ہے؟

کس چیز کے لیے دکھ اٹھانا قابلِ قدر ہے؟

جب سب کچھ بدل جائے تو کیا باقی رہتا ہے؟

یہ وہ سوالات نہیں جنہیں حل کرنا ہے۔

یہ وہ سوالات ہیں جن میں بسنا ہے۔

فرق بنیادی ہے۔

ایک جواب بند کر دیتا ہے۔

ایک سوال کھول دیتا ہے۔

اور زندگی، بہرحال، کھلنے کو ترجیح دیتی ہے۔

جب بھی میں کسی نئے تجربے سے گزرتا، مجھے محسوس ہوتا کہ اُس کی قدر اُس نتیجے میں اتنی نہیں تھی جس تک میں پہنچا تھا۔

اُس کی قدر اُس سوال میں تھی جو اُس نے پیدا کیا تھا۔

ایک نقصان ایک سوال پیدا کرتا ہے۔

ایک محبت ایک سوال پیدا کرتی ہے۔

ایک بیماری ایک سوال پیدا کرتی ہے۔

ایک جیت ایک سوال پیدا کرتی ہے۔

کامیابی بھی ایک سوال پیدا کرتی ہے۔

اکثر ناکامی سے کہیں زیادہ مشکل۔

کیونکہ کچھ حاصل کر لینے کے بعد ایک غیر متوقع سوال سامنے آتا ہے:

"اور اب؟"

برسوں میں سمجھتا رہا کہ چیزوں کا مطلب جوابات میں چھپا ہے۔

پھر مجھے ایک عجیب اتفاق نظر آنے لگا۔

جو لوگ مجھے سب سے دلچسپ لگے وہ سب سے کم یقین والے بھی تھے۔

وہ متذبذب نہیں تھے۔

وہ کھلے ذہن کے تھے۔

وہ سمجھتے تھے کہ حقیقت اپنے یقینوں سے کہیں وسیع ہے۔

اپنے خاکوں سے کہیں زیادہ پیچیدہ۔

اپنے نتائج سے کہیں زیادہ بھرپور۔

اسی لیے وہ سوال پوچھتے رہتے تھے۔

کمزوری کی وجہ سے نہیں۔

ذہانت کی وجہ سے۔

حقیقی ذہانت بہت سے جوابات رکھنے میں نہیں ہے۔

یہ پہچاننے میں ہے کہ کون سے سوالات ابھی پوچھے جانے کے قابل ہیں۔

اپنی زندگی کے دوران میں مختلف ملکوں میں گیا۔

مختلف ثقافتیں۔

مختلف مذاہب۔

مختلف نظام۔

ہر جگہ کے پاس مختلف جواب تھے۔

اور پھر بھی بنیادی سوالات تقریباً ہمیشہ ایک جیسے تھے۔

کیسے جیا جائے۔

کیسے محبت کی جائے۔

موت کا سامنا کیسے کیا جائے۔

وقت کے ساتھ کیسے جیا جائے۔

کوئی معنی کیسے پایا جائے۔

اس بات نے مجھے گہرائی سے متاثر کیا۔

کیونکہ اس سے ایک آفاقی بات ظاہر ہوتی تھی۔

تہذیبیں زبان بدلتی ہیں۔

بنیادی سوالات نہیں بدلتے۔

شاید ٹھیک اسی لیے افسانوی ادب زندہ رہتا ہے۔

کیونکہ وہ حل پیش نہیں کرتا۔

وہ کھوج پیش کرتا ہے۔

ناول زندگی کو حل کرنے کے لیے نہیں ہوتا۔

وہ ایک سوال کو روشن کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

اور ایک اچھا سوال کسی شخص کے ساتھ برسوں رہ سکتا ہے۔

بہت سے جوابات سے بہتر۔

مجھے ایک دن یاد ہے جب میں اُن سب یقینوں پر غور کر رہا تھا جنہیں میں چھوڑ چکا تھا۔

وہ بہت سے تھے۔

بہت سوں نے میری زندگی کے لمبے ادوار پر حکومت کی تھی۔

کچھ کارآمد رہے تھے۔

کچھ کم۔

مگر سب نے کسی زیادہ پختہ چیز کے لیے جگہ خالی کر دی تھی۔

یہ شعور کہ حقیقت کوئی عدالت نہیں۔

وہ ایک گفتگو ہے۔

ایک لامتناہی گفتگو، اُس کے درمیان جو ہم جانتے ہیں اور جو ہم نہیں جانتے۔

اُس کے درمیان جو ہم سمجھتے ہیں اور جو ہماری گرفت سے نکل جاتا ہے۔

اُس کے درمیان جو ہم تھے اور جو ہم بن رہے ہیں۔

اُس لمحے سے میں نے شکوک کو دشمن سمجھنا چھوڑ دیا۔

میں انہیں سفر کے ساتھی ماننے لگا۔

ہر شک توجہ کا مستحق نہیں ہوتا۔

کچھ شور ہیں۔

کچھ خوف ہیں۔

کچھ سادہ سی الجھن ہیں۔

مگر کچھ اور بھی ہیں۔

زیادہ گہرے۔

زیادہ خاموش۔

زیادہ سچے۔

وہ جو بار بار لوٹ آتے ہیں۔

وہ جو سال بہ سال شعور کے دروازے پر دستک دیتے ہیں۔

وہ جو چاہتے ہیں کہ انہیں سنا جائے۔

میں نے ان کا احترام کرنا سیکھ لیا ہے۔

کیونکہ وہ اکثر کسی اہم چیز کی حفاظت کر رہے ہوتے ہیں۔

ایک تبدیلی۔

ایک سچائی۔

ایک سمت۔

ہمارا ایک ایسا حصہ جسے ابھی کھوجا نہیں گیا۔

پیچھے مڑ کر دیکھوں تو اب مجھے وہ لوگ متاثر نہیں کرتے جن کے پاس ہر بات کا جواب ہوتا ہے۔

مجھے اُن میں زیادہ دلچسپی ہے جو ایک سچا سوال اٹھانا جانتے ہیں۔

کیونکہ ایک جواب ختم ہو سکتا ہے۔

ایک سوال پوری زندگی کو جنم دے سکتا ہے۔

شاید یہ اُن قیمتی ترین سبقوں میں سے ایک ہے جو وقت نے میرے لیے چھوڑے ہیں۔

صرف جواب نہ ڈھونڈو۔

وہ سوال ڈھونڈو جس نے اسے جنم دیا۔

کیونکہ ہر اہم یقین کے پیچھے۔

ہر حقیقی تبدیلی کے پیچھے۔

ہر اہم انتخاب کے پیچھے۔

ہر اُس کہانی کے پیچھے جو سنائے جانے کے لائق ہے۔

ہمیشہ ایک غیر مرئی سوال ہوتا ہے۔

اور وہیں سے سفر شروع ہوتا ہے۔

جواب سے بہت پہلے۔